

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

خرم مراد

پاکستان اپنی تقریباً نصف صدی کی مختصر سی زندگی میں مسلسل ایک بحران کے بعد دوسرے بحران کا شکار رہا ہے۔ لیکن یہ کہنا بلا مبالغہ آج اسے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ خطرناک بحران کا سامنا ہے۔ ہر بحران کی ہمیں بڑی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی ہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۱ میں تو اپنے جسم کا آدھا حصہ کاٹ کر دینا پڑا ہے۔ لیکن اس وقت اتنا تو تھا کہ 'سوائے ان کے جو شتر مرغ کی طرح ریت میں اپنا سر چھپائے رکھنے پر مصر تھے' ہر جاننے والا جانتا تھا کہ اب ماضی کی بد اعمالیوں کی اتنی قیمت ادا کیے بغیر کوئی چارا نہیں۔ لیکن آج کوئی بھی ہوش مند یہ بازی لگانے کی جرات نہیں کر سکتا کہ اس بحران کی قیمت 'آج اور مستقبل میں' کتنی بھیا تک ادا کرنا ہوگی۔

پھر 'جب کسی بحران سے نکلے' تو اس طرح کہ اسے سب کا کچھ ازالہ نہ ہوا، ہاں مارشل لا اور ناقص یا مصنوعی انتخابات جیسی تدابیر کے ذریعہ حالات کو پرسکون کر دیا گیا۔ اس مصنوعی سکون پر بہت سوں نے اطمینان کا سانس لیا، اور قلم کاروں نے مدح و توصیف کے گیت لکھنے کے لیے قلم سنبھال لیے۔ مگر ایسی ہر تدبیر نے ایک اور سنگین تر بحران کو جنم دیا۔ ۱۹۵۳ سے ۱۹۶۹ تک جن تدابیر سے بحران دور کیے گئے، ان کے نتیجہ میں ملک کو تقسیم، سول مارشل لا اور پیپلز پارٹی کے دور عذاب سے گزرتا پڑا۔ ۱۹۷۷ سے ۱۹۹۳ تک کی تدابیر نے ہمیں آج یہاں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

۱۹۹۳ ہم نے اس لیے لکھا کہ 'جب تک یہ سطور آپ تک پہنچیں گی' غالباً ایک دفعہ پھر کوئی نہ کوئی مصنوعی تدبیر اختیار کی جا چکی ہوگی، کیونکہ حقیقی حل کے لیے قدم اٹھانے کو اب بھی کوئی تیار نہیں۔۔۔ یہ تدابیر اب ہمیں کس آتش فشاں تک لے جائیں گی، اس کے تصور سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔ اگرچہ دعا بھی ہے، 'تمنا بھی' اور کوشش بھی، کہ ملک کو چلانے والے اسے کسی بڑے حادثے سے دوچار نہ کر دیں۔

طوائف الملوکی کی اصطلاح اسپین کے دور زوال کی یادگار ہے۔ اس وقت ہر طائفہ نے اپنی آزاد مملکت قائم کر لی تھی یہ ایک طرف ایک دوسرے کا نام و نشان مٹانے کے درپے تھیں، تو دوسری طرف عیسائی دشمنوں کی رضا جوئی کے لیے کوشاں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابو عبد اللہ کو غرناطہ کی آخری مملکت کی کنجیاں فرڈ۔ تنیڈ اور ایزابیلا کی خدمت میں پیش کر کے رخصت ہونا پڑا، اور اسپین سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ خلافت عباسی کا آخری دور ہو یا مغلیہ سلطنت کا دور زوال، نقشہ یہی نظر آتا ہے۔ کبھی ایک صوبہ علم بغاوت بلند کر کے خود مختار ہوتا تھا، کبھی دوسرا۔ مرکزی حکومت بغداد، دہلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، اور وہاں بھی کہیں خلیفہ اور بادشاہ، کہیں وزیراعظم اور سپہ سالار، اقتدار کی کشمکش میں مسلسل ایک دوسرے کو اختیار سے بے دخل کرتے اور خود قابض ہوتے رہتے تھے۔

بد قسمتی کی بات ہے کہ آج پاکستان اسی قسم کی طوائف الملوکی کا شکار ہے۔ مرکز میں ایک آزاد ”مملکت“ جناب صدر نے اپنی بنالی ہے، ایک جناب وزیراعظم کی ہے۔ دونوں ایک گھمسان کی (سیاسی و قانونی) جنگ، میں ایک دوسرے کے ساتھ برسریکار ہیں، اور ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں۔ یہ جنگ اس لیے اور خوفناک بنتی جا رہی ہے کہ مملکت کے دستوری سربراہ صدر ہیں، جب کہ انتظامی سربراہ وزیراعظم۔ لیکن مملکت ایک ہی ہے، اور دونوں کے لیے اپنے اپنے علاقے لے کر الگ ہو جانا ممکن نہیں، مگر دونوں ایک چادر میں سامنے کو بھی قطعاً تیار نہیں۔ پھر کیا اس کھینچا تانی میں کہیں چادر پھٹ تو نہ جائے گی! یا تیسری قوت دونوں کو نکال باہر تو نہ کر دے گی!

جناب صدر صرف دستوری سربراہ سہی، لیکن انہوں نے ہر صوبہ کے ہاتھوں میں علم بغاوت تمہا کر اسے اپنا حلیف بنا لیا ہے۔ چنانچہ ہر صوبہ کی انتظامیہ جناب وزیراعظم کے خلاف صف آرا ہے، خصوصاً پنجاب اور سرحد کی، کہ جن کے درمیان مرکزی دارالسلطنت ایک محصور شہر بلافصل ہو گیا ہے۔ یہ طوائف الملوکی کی انتہائی خوفناک صورت ہے۔ وزیراعظم کی حکومت فی الواقع زیر و پوائنٹ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، باقی علاقوں پر صوبوں کی معرفت صدر کی حکومت ہے۔ بحیثیت وزیراعظم صوبوں میں ان کا حکم نہیں چل رہا، بلکہ وہ وہاں جا بھی نہیں سکتے۔ صوبوں کے پاس پولیس کی مسلح قوت ہے، جب کہ وزیراعظم کے پاس کوئی قوت نہیں جو ان کا حکم ماننے کو تیار ہو۔ ان مرکزی ملازمین کو بھی، جو صوبوں میں متعین ہیں، وہ معطل کرتے ہیں تو

صدر، بحیثیت دستوری سربراہ کے، (اگرچہ شاید بلا کسی دستوری اختیار کے) انہیں بحال کر دیتے ہیں۔ حزب اختلاف بھی، قوت و تعداد میں کم سہی، جناب صدر کی حلیف بن چکی ہے۔ اور اب، صدر کی سربراہی میں، صوبوں اور حزب اختلاف نے اسلام آباد کے محصور دارالسلطنت پر ”چڑھائی“ کا اعلان کر دیا ہے۔ ”صدر کی سربراہی“ ہم نے اس لیے کہا کہ آج کے سپہ سالار آگے آگے ہونے کے بجائے سب سے پیچھے بیٹھ کر اپنی فوجوں کو لڑاتے ہیں۔

جناب وزیراعظم نے قانون اور عدالت کا دامن تھما، اور عدالت نے ان کے خلاف جناب صدر کی غیرقانونی کارروائی کو کالعدم قرار دے کر، ان کو سہارا بھی دیا۔ لیکن عدالت کے فیصلوں میں بس اتنی قوت ہوتی ہے جتنی فریقین نفسیاتی طور پر اسے دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ یا جتنی ریاستی قوت اس کی پشت پر ہوتی ہے۔

جہاں فریقین سمجھتے ہیں کہ فیصلہ سے سرتابی کی سرمو مجال نہیں، وہاں عدالت کو مکمل قوت حاصل ہوتی ہے۔ جہاں کوئی فریق، جس کو سیاسی قوت حاصل ہو، مان کر بھی نہ مانے یا عدالت پر کچڑا چھالنے پر اتر آئے، وہاں عدالت اتنی بے بس ہو جاتی ہے کہ توہین عدالت کی کارروائی بھی کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ اور جہاں ریاست کا وہ بازو جو قوت کا حامل ہوتا ہے، عدالت کی پشت پناہی کے لیے تیار نہ ہو، وہاں بھی فیصلے کاغذ پر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کیا جتنا عدالت کے خلاف کہا گیا اتنا قوت قاہرہ کے خلاف کہا جاتا تو اسی طرح سناٹا طاری رہتا؟ ایک دفعہ چند ریڈ انڈین قبائل کو جلا وطن کرنے کے خلاف امریکن سپریم کورٹ نے حکم نامہ جاری کیا، تو امریکہ کے مشہور صدر آدم نے کہا: کر لے سپریم کورٹ اپنا حکم نافذ! --- اور قبائل گھبردار کر دیئے گئے۔ اب بھی، زبان قال سے نہیں، زبان حال سے یہی کہا جا رہا ہے کہ ”سپریم کورٹ اپنا فیصلہ نافذ کر لے“ کہ شاید ماضی میں اپنی بے اختیاری کو دیکھتے ہوئے ہی عدالتوں نے وہ فیصلے کیے جو آج ہدف ملامت بنے ہوئے ہیں۔

ملک کے سنگین ترین بحران کو پیدا کرنے اور اس کو برقرار رکھنے، میں یہ واضح ہے کہ اصل کردار جناب صدر کا ہے۔ انہوں نے منتخب اسمبلی اور وزیراعظم کو برطرف کرنے کا ایسا اقدام کیا جس کے بارہ میں ہم نے لکھا تھا کہ اس کا کوئی قانونی، سیاسی، یا اخلاقی جواز نہیں ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلہ نے ہماری اس رائے کی توثیق کر دی۔ ان کے سارے اقدامات سے، اور ان کے اقدامات اور بیانات سے بھی ان کا کام کر رہے ہیں، یا ان کی ترجمانی کرتے ہیں، یا جنہیں ان

© rasailojaraid.com

یقین ہو سکتا ہے۔ اور اب یہ ”اسلام آباد“ کے خلاف لانگ مارچ کی چڑھائی --- اگر پنجاب اور سرحد کی حکومتیں صرف عدم تعاون ہی کریں تو کیا یہ کامیاب ہو سکتی ہے؟

جناب وزیراعظم کی بے صبریاں اور بے تدبیریاں --- ان کا اپنے قول و قرار میں ناقابل اعتماد ہونا --- اداروں اور روایات کو نظر انداز کر کے بالا بالا کام کرنا --- اختلاف کرنے والوں کے خلاف ان کی زبان اور لہجہ --- اور کلی اختیارات کے لیے ان کی طلب و خواہش --- یہ سب بجا اور درست شکایات ہیں، اور آج کے بحران کو پیدا کرنے میں ان کا بھی اپنا حصہ ہے۔ مگر یہ جناب صدر کی روش کو جواز نہیں فراہم کر سکتیں۔

انہوں نے وزیراعظم بنتے ہی ”لبے چوڑے“ دستور سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا، (وہی دستور جو ان کے کام آیا)۔ بارہویں ترمیم کے ذریعہ، دستور، صدر اور ریاست کے تمام اداروں کو بالائے طاق رکھ دینے کے اختیارات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان کی بے تدبیروں کا علم یہ ہے کہ پاکستان کی ساری سیاسی تاریخ سے واقف ہونے کے باوجود انہوں نے آٹھویں ترمیم میں صدر کے اختیارات ختم کرنے کی جنگ چھیڑ دی، حالانکہ اس مقصد کے لیے ان کے پاس مطلوبہ دو تہائی تعداد بھی نہ تھی۔ اور واقعاً نہ اسمبلی ٹوٹنے کا اندیشہ تھا، نہ تین سال تک کسی چیف آف شاف کا تقرر ہونا تھا۔ ان کا یہ اقدام صدر کے لیے سرخ الارم کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک طرف وہ اپوزیشن کو غدار قرار دیتے رہے، اور ٹانگیں توڑ دینے اور سمندر میں دھکیل دینے کی دھمکیاں دیتے رہے، دوسری طرف اچانک صدر کے خلاف حمایت کے وعدہ پر انہوں نے نہ صرف انہی محترمہ بے نظیر بھٹو کو امور خارجہ کمیٹی کا سربراہ بنوا دیا اور آصف زرداری کو رہا کروا دیا، بلکہ تعاون کی صورت میں، اخباری اطلاعات کے مطابق، ان کو پانچ وزارتوں کی پیش کش بھی کر دی۔

پھر اسمبلی کی تحلیل کے بعد انہوں نے جناب صدر کے خلاف وہ زبان استعمال کی کہ سپریم کورٹ کو بھی اس کا نوٹس لینا پڑا۔ اور اسمبلی بحال ہونے کے بعد، انہوں نے نہ صدر سے رابطہ بحال کیا، نہ اپوزیشن سے، سیدھے پنجاب کی حکومت ختم کرنے کی مہم میں لگ گئے۔ اور سب سے شاہکار بے تدبیری تو یہ کہ پنجاب پر قبضہ کے لیے، اپنے وکیل کے مشورہ کو رد کر کے لاہور ہائی کورٹ میں جانے کے بجائے پارلیمنٹ کو ملوث کر لیا۔ دفعہ ۲۳۳ کے تحت ایسی کارروائی کی کہ جس کا طریق کار، اور کچھ حصہ صریحاً دستور کی خلاف ورزی ہیں، اور جس کو نافذ کرنے کی طاقت

بھی ان کے پاس نہ تھی۔ اس طرح انہوں نے پنجاب کی حکومت خاطر اپنی وزارت عظمیٰ کو دا پر لگا دیا، اور اپنی لاچاری اور بے بسی دوست دشمن سب کے سامنے عیاں کر دی۔

کیا نواز شریف کو بٹانے سے بحران حل ہو جائے گا؟

جناب وزیراعظم کا یہ کردار اپنی جگہ پر، لیکن ہمیں جو بحران درپیش ہے اس کا حل صرف افراد کو اٹھانے اور بٹھانے سے کبھی بھی نہیں ہوگا۔ اگر آج ”نواز شریف“ نے بے صبری دکھائی ہے، بے تدبیریاں کی ہیں، اختیارات کلی کی ہوس کی ہے، تو کل کوئی دوسرا بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اگر آج ”نواز شریف“ کا خاتمہ اس لیے ضروری قرار دیا جا رہا ہے کہ وہ رہ گیا تو اپنی مرضی کا صدر لائے گا، چیف آف شاف لائے گا، آمر مطلق بن جائے گا، تو کل کوئی دوسرا بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ دستور کس ”بھٹو“ یا ”نواز شریف“ کو روک سکتا ہے کہ وہ، منصفانہ انتخابات کے ذریعہ، ساری اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کر لے، اپنی مرضی کا صدر لے آئے، اس کے ذریعہ اپنی مرضی کا چیف آف شاف لے آئے، اپنی مرضی کی دستوری ترمیم کر لے؟ اور کیا اصولاً فوج کو ملک کے انتظامی سربراہ کے ماتحت نہیں ہونا چاہیے۔

پھر کیا ایک مقتدر کے آمر بن جانے کے خطرہ کا علاج یہی ہے کہ دوسرے مقتدران کو اس کے برابر، بلکہ اس پر حاوی اختیارات دے دیے جائیں۔ کیا ایک ملک میں دو سربراہ مسلسل فساد پیدا نہیں کرتے رہیں گے؟ کیا ملک کی فلاح و ترقی اسی میں ہے کہ اس کے مقتدر ادارے ایک دوسرے سے مسلسل دست بگیرا رہیں؟ ہر دو تین سال بعد کشمکش اقتدار کا بحران پیدا ہوتا رہے، یا مارشل لا کا انجکشن اسے ایک طویل موت نمائند کی آغوش میں دھکیل دے، کہ جب جاگے تو پہلے سے بدتر حالت میں ہو۔ ملک کا انتظامی سربراہ بگڑ جائے، تو لیا اس کا یہ علاج مناسب ہے کہ دوسرے مقتدران اس کو بہ جبر ہٹا دیں، یا حزب اختلاف عوام کو اس کے خلاف سڑکوں پر لے آئے اور رخصت ہو جانا ہی اس کا فرض پڑے؟

کیا انتخابات اس بحران کا علاج ہیں؟

اگر ۱۹۶۹، ۱۹۸۸ اور ۱۹۹۰ کے بحرانوں کا اس طرح علاج نہ ہو سکا، تو اس بحران کا علاج انتخابات سے کس طرح ہو جائے گا؟ ووٹر میں کوئی تبدیلی نہ آئے، انتخابات کے نظام و قوانین میں کوئی اصلاح نہ ہو، سیاسی محاذ آرائی کے تیز بخار کی حالت میں انتخابات ہوں، ایک گروہ کو بنوک شمشیر نکال کے ہوں، اس کے مخالفین کو مہند حکومت پر بٹھا کر کیے جائیں، تو ایک بدتر

بحران پیدا نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ بلخ شیرمزاری اور وٹو کی حکومت ہو یا جتوئی اور وائیں کی، ان کے تحت انتخابات ہوں تو کیا ان کو منصفانہ تسلیم کیا جائے گا، سکون و قرار نصیب ہو سکے گا۔ پھر انتخابات کی رٹ لگائے جانے کا مقصد ایک ٹولے کو ہٹانے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے، خواہ اس کی جگہ اسی کی طرح کوئی بھی دوسرا ٹولہ آکر مسند اقتدار پر بیٹھ جائے۔ یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ حزب اختلاف اسمبلیوں سے استعفیے دے دے یا لانگ مارچ منظم کر لے تو اسمبلی توڑ دی جائے یا نئے انتخابات کرانا حل بن جائے۔

ملک میں کوئی مستحکم نظام اس وقت تک کبھی بھی قائم نہیں ہو سکتا جب تک ملک کے منتخب انتظامی سربراہ کو سول اور ملٹری پر اختیار حاصل نہ ہو، اور اس کے سر پر کوئی دستوری تلوار لٹک رہی ہو۔ کوئی آمریت اور بدعنوانی کی راہ پر چلے تو اسے روکنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں کہ اس کو اوپر سے یا نیچے سے سزکوز، پر احتجاج کے ذریعہ ہٹا دیا جائے۔ وہ آئے تو منصفانہ طور پر رائے عامہ کی حمایت کے بل پر، جائے تو دستور و قانون کے تحت۔ آمریت کی راہ پکڑے یا بدعنوانی کی، تو اس کے دوسرے علاج سوچے جائیں۔ اعلیٰ اور حساس عہدوں پر تقرریوں کی توثیق جمہوری اداروں کے سپرد کی جاسکتی ہے۔ سول ملازمین کو سیاسی دباؤ سے نجات دلانے کے لیے بھی تدابیر موجود ہیں۔ مالی بدعنوانیوں کے لیے بھی چیک قائم کیے جاسکتے ہیں۔ احتساب کا ایک مستقل نظام قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ احتساب کا حق ہر شہری کو دیا جاسکتا ہے، اور تمام حکومتی عہدیداروں کو عام شہریوں کی طرح عدالتوں کے سامنے جواب دہ ٹھہرایا جاسکتا ہے، جیسا کہ اسلام کا تقاضا ہے۔ انتخابات کو زیادہ سے زیادہ منصفانہ، انتظامیہ کی مداخلت سے آزاد، اور دھن دولت کے راج سے پاک کرنے کے لیے مناسب اقدامات ممکن ہیں۔ جماعت اسلامی نے اس مقصد کے لئے انتہائی مفید تجاویز پیش کی ہیں۔ لیکن کاش لوگ، واقعی اصلاح کے خواہاں ہوتے!

ملک کو درپیش بحران سے نکلنے کے مختلف راستے ہو سکتے ہیں۔

سب سے بہتر راستہ تو یہ ہے کہ صدر، وزیراعظم اور قائد حزب اختلاف مل کر بیٹھیں، آمریت اور بدعنوانیوں کا راستہ بند کرنے کے لیے، انتخابات کے عمل کو منصفانہ بنانے کے لیے، اور عوام کی منتخب کردہ حکومت کو مقررہ مدت تک تحفظ و سلامتی فراہم کرنے کے لیے مناسب مستقل انتظامات سوچیں، اور ان پر تمام سیاسی قوتوں کا اتفاق رائے حاصل کریں۔ ان کو مناسب قانون سازی کے ذریعہ نافذ کر دیں۔

باہمی اتفاق رائے سے یہ بھی طے کریں کہ موجودہ حکومت کب تک کام کرے گی، اور آئندہ صدر کون ہوگا۔

اگر اس فارمولے پر عملدرآمد ہو جائے تو ملک کی بہتری کے لیے اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔

۲۔ اگر یہ راہ نہ اختیار کیا گئی تو ہر حل میں خرابی کی صورت مضر ہے۔ لیکن سب سے کم نقصان دہ راستہ یہ نظر آتا ہے کہ ہر سطح پر مکمل غیر جانبدار، (اگرچہ یہ جنس عنقا ہے) افراد، جن پر فریقین کو اعتماد ہو، اور جو آئندہ انتخابات میں حصہ نہ لیں، حکومت سنبھالیں۔ موجودہ حکومت کا جانا دستوری طریقہ سے ہو۔ انتخابی قوانین اور نظام میں زیادہ سے زیادہ ممکنہ اور متفقہ اصلاحات کردی جائیں۔ اور اس کے بعد انتخابات کرا دیئے جائیں۔ (۱) انتخابات سے مسئلہ حل تو نہ ہوگا، لیکن نہ کرانے کی صورت میں حالات بدتر ہو سکتے ہیں۔ اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ ایسا کوئی حل فریقین خود ماننے پر تیار ہوں۔ ایسی صورت میں تو ان سے منوانے میں بھی دریغ نہ کیا جائے۔ بشرطیکہ منوانے والے اپنی اغراض سے بالاتر ہوں، انصاف سے معاملہ کریں، اور انصاف کرتے ہوئے محسوس بھی ہوں۔

اگر بہ جبر کوئی ایسا سیاسی حل، یا انتخابی فارمولا مسلط کیا گیا جس میں کسی فریق کے ساتھ صریح بے انصافی ہوتی ہو، تو اس سے مزید فساد ہی پیدا ہوگا۔ اور اگر غیر دستوری ذرائع سے بحران ختم کیا گیا تو اس کا نتیجہ نہ پسے اچھا نکلا ہے نہ اب اچھا نکلے گا۔

بنیادی مسئلہ نظام چلانے والوں کے کردار کا ہے۔ کوئی نظام خود سے اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ اگر چلانے والے من مانی کرنے اور لوٹ مار مچانے پر تل جائیں تو ان کو روکا جائے گا۔ خلافت راشدہ کی مسند پر بھی غلط کار افراد بیٹھ جائیں تو ان کی روک تھام مشکل ہے۔ اور اگر تحت شاہی پر کوئی صالح، انصاف پسند اور خادم رعیت فرد بیٹھ جائے تو لوگ سکھ کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اچھے اور موثر قوانین اور نظام اس لئے ضروری ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو خرابی اور فساد کے دروازے بند کر دیئے جائیں، اور کوئی کھولنا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑنے کے انتظامات ہوں۔ لیکن نظام اور قوانین اسی صورت میں اپنے مقصد کے لئے موثر ہو سکتے ہیں۔ جب ان کی نگرانی کیلئے ایک مضبوط رائے عامہ موجود ہو، اور چلانے والے خوف خدا سے خالی نہ ہوں اور نہ نظام و قوانین کا احترام ضروری سمجھتے ہوں۔